حکمتِ اقبال (۳۲)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور سائنس (۲)

خدا ہستیٔ غائب نہیں

ایک نظم میں اقبال کہتا ہے کہ فلسفۂ مغرب کے قائلین کی تعلیم یہ ہے کہ خدا کی جستجو کرنا نادانی ہے۔ اور ان کی بڑی دلیل یہ ہے کہ خدا ہستیٔ غائب ہے اور جدید سائنسی علوم کی بنیاد ان حقائق پر ہے جو محسوس دنیا سے تعلّق رکھتے ہیں، یعنی حواسِ خمسہ کے ذریعہ سے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا خدا کو ماننا علم اور عقل کی کوئی بات نہیں۔ اس زمانہ میں محض عقائد کو کوئی علمی حیثیّت حاصل نہیں۔ مذہب ایک جنون ہے، جس سے آدمی کے تخیّل پر ناحق ایک لرزہ سا طاری رہتا ہے۔ لیکن اگر ہم فلسفۂ زندگی پر غور کریں تو کچھ اور ہی قسم کے حقائق آشکار ہوتے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ مغرب کے فلسفیوں کا یہ خیال درست نہیں کہ خدا ہستیٔ غائب ہے اور خدا کو جاننے کا پہلا ذریعہ حواسِ خمسہ کے سوائے کوئی اور بھی ہے۔ خدا کو جاننے کا بنیادی ذریعہ حواسِ خمسہ ہی ہیں، کیونکہ خدا کی ہستی اور اس کی صفات مظاہرِ قدرت میں آشکار ہیں اور مظاہرِ قدرت کا علم حواس کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ اقبال نے اپنے خط میں لکھا ہے: "وہ علم جس کا دار و مدار حواس پر ہے، علمِ حق کی ابتدا ہے" ؎ علمِ حق اوّل حواس، آخر حضور!

چونکہ خدا کی صفات محسوس کائنات میں آشکار ہیں، لہٰذا خدا محسوس کائنات سے الگ نہیں اور خدا کا علم بھی محسوس کائنات ہی کا علم ہے۔ یہ بات کہ خدا ہماری جسمانی آنکھوں سے مخفی ہے، اس صداقت میں کوئی فرق پیدا نہیں کرتی۔ بعض وقت ہم کسی چیز کی ہستی کو اس کے محسوس آثار اور نتائج سے جانتے اور پہچانتے ہیں اور پھر اس چیز کا علم بھی ایسا ہی معتبر اور یقینی ہوتا ہے جیسا کہ کسی اور محسوس چیز کا

علم ۔مثلاً ہم دُور سے دھواں دیکھیں تو اس سے آگ کی موجودگی کا یقین کرتے ہیں حالانکہ آگ ہمیں نظر نہیں آتی۔ اسی طرح سے ہم اپنے کسی دوست کی شخصیت یا خودی کو اس کے آثار ونتائج سے جو اس کے اعمال، افعال اور اقوال کی صورت اختیار کرتے ہیں، اچھی طرح سے جان لیتے ہیں۔ حالانکہ اس کی شخصیت یا خودی ہمیں نظر نہیں آتی۔ ایٹم کو کسی سائنسدان نے عریاں نگاہوں سے آج تک نہیں دیکھا اور خوردبین سے بھی ہیروشیما کے دھماکہ کے بعد ہی دیکھا ہے۔ اس کے باوجود اس دھماکہ کے وقت سائنسدانوں کو اس کے محسوس آثار ونتائج کی بنا پر اس کا پُورا علم تھا، جو یہاں تک یقینی اور مؤثر تھا کہ اس کی مدد سے ہیروشیما ایسے ایک بڑے شہر کو لمحہ بھر میں تباہ کر دیا گیا۔ ایٹم کی طرح ہم خدا کو بھی اس کے آثار ونتائج یا اعمال وافعال کے ذریعے سے جو مظاہرِ قدرت کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں، جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اُوپر کی مثالوں میں اگر اپنے آثار ونتائج کے ذریعہ سے جانی ہوئی چیزوں یعنی آگ اور دوست کی شخصیّت اور ایٹم میں سے کوئی چیز بھی کسی شخص کے نزدیک ہستیِ غائب یا مافوق الفطرت (Super Natural) نہیں تو خدا بھی ہستیِ غائب یا مافوق الفطرت نہیں۔ تمام طبعیاتی، حیاتیاتی اور نفسیاتی مظاہرِ قدرت میں جو چیز ہمیں واضح طور پر نظر آتی ہے وہ نظم یا آرڈر (Order) کی موجُودگی ہے جو سائنسدان کوشش کرتا ہے اور جسے سائنسدان اپنے مشاہدات اور تجربات کے ذریعہ سے دریافت کر کے ضبطِ تحریر میں لاتا ہے۔ جہاں نظم دریافت نہ ہو سکے وہاں سائنس کی تحقیق ناکام رہتی ہے اور رُک جاتی ہے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ یہ نظم ایک جوہر میں، ایک سالمہ میں، ایک قلم یا کرسٹل میں، ایک نظامِ شمسی میں، برف کے ایک گالہ میں، ایک خلیہ میں، ایک جسمِ حیوانی میں اور ایک انسانی شخصیّت میں موجود ہے۔ اور پھر جہاں تک ہمیں علم ہے یہ نظم جب سے کائنات وجود میں آئی ہے آج تک ہر زمانہ میں اور جہاں تک کائنات پھیلی ہوئی ہے اس میں ہر جگہ ایک ہی رہتا ہے اور اس کی یکسانیت کبھی اور کہیں نہیں ٹوٹتی۔ اب یہ بات بالکل ظاہر ہے اور اسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا کہ نظم ہمیشہ کسی ذہن کی کارفرمائی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر ہم گندم کے کچھ دانے ایک فٹ پاتھ پر بکھرے ہوئے دیکھیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اتفاقاً گر گئے ہوں گے لیکن اگر وہی دانے ایک باقاعدہ ہشت پہلو ریاضیاتی شکل میں آراستہ ہوں تو ہم سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکیں گے کہ کسی زندہ باشعور ہستی نے ان کو یہ شکل دی ہے۔ طبعیاتی مظاہرِ قدرت کے اندر جو نظم پایا جاتا ہے وہ اس قدر جچا تلا ہے کہ ہم اسے ریاضیاتی اصطلاحات

© rasailojaraid.com

یا ریاضیاتی اصولوں میں ظاہر کر سکتے ہیں۔ ایک بلند عمارت کی چھت سے نیچے گرائی ہوئی چھوٹی سی کنکری کی بڑھتی ہوئی رفتار یا حرارت سے پھیلنے والی لوہے کی ایک سلاخ کی بڑھتی ہوئی طوالت بھی ریاضیاتی قوانین کی پابند ہے، جو کائنات میں اُس وقت بھی جاری تھے جب اس میں انسان، جو ان قوانین کو سمجھنے کی ذہنی استعداد رکھ سکتا ہے، موجود نہیں تھا۔ اگرچہ نظم خود ایک مقصد کا مظہر ہوتا ہے، تاہم جب ہم طبعیاتی مظاہر قدرت سے ذرا اُوپر آکر حیاتیاتی مظاہر قدرت پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں ہر چھوٹے یا بڑے جاندار کے جسمانی نظم کے اندر کسی مقصد کی کارفرمائی براہِ راست نظر آتی ہے۔ حالانکہ کسی جاندار نے اپنے آپ کو خود نہیں بنایا اور نہ وہ مقصد جو اس کے جسمانی کارخانہ کے کونے کونے میں کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، اس کا اپنا مقصد ہوتا ہے۔ لہٰذا جدید سائنسی علوم مظاہرِ قدرت کے اندر نظم اور مقصد کی جستجو اور دریافت کی کٹھن منزلیں طے کر کے یہ سوال بار بار پیدا کرتے رہتے ہیں کہ جب نظم اور مقصد کسی ذہن کی کارفرمائی کے بغیر ممکن نہیں تو پھر یہ کس کا ذہن ہے جو قدرت کے ذرّہ ذرّہ میں کارفرما ہے۔ اس سوال کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ اس کا ذہن ہے جس نے قدرت کے ذرّہ ذرّہ کو پیدا کیا ہے اور جسے خالقِ کائنات یا خدا کہا جاتا ہے۔ لہٰذا خدا کا عقیدہ جدید سائنسی علوم کا ایک قدرتی جزو اور جزوِ لاینفک ہے۔ اگر مغرب کے علماء نے علومِ جدیدہ سے خدا کے عقیدہ کو الگ کر دیا ہے تو ایسا کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی علمی اور عقلی وجہ جواز موجود نہیں اور نہ ان کا ایسا کرنا اس کا ثبوت بن سکتا ہے کہ خدا ایک علمی تصوّر نہیں یا ہمیں خدا کو ایک غیر محسوس ہستی سمجھ کر نظر انداز کر دینا چاہیے۔ خدا کی ہستی ہستیٔ غائب یا ماورائے علم ہستی نہیں بلکہ وہ ہستی ہے جس کی شہادت خود علومِ جدیدہ بہم پہنچا رہے ہیں۔ اگر خدا غائب ہے تو ان معنوں میں کہ آشکار ہونے کے باوجود اس کی ذات ہماری جسمانی آنکھوں سے مخفی ہے لیکن ان معنوں میں دنیا کی ہر وہ چیز بھی جسے ہم ان آنکھوں سے دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، غائب ہے۔ کیونکہ ہم دنیا کی کسی چیز کو بھی جسے ہم مرئی کہتے ہیں، پُوری طرح سے نہیں جان سکتے۔ ان ہی معنوں میں قرآن حکیم نے خدا کو ظاہر بھی کہا ہے اور باطن بھی۔ قرآن کی آیت يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ میں لفظ غیب میں خدا کو شامل کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ خدا ہم سے کلیتہً مخفی ہے، بلکہ فقط یہ ہے کہ ظاہر اور آشکار ہونے کے باوجود اس کی ذات ہماری آنکھوں سے نہاں ہے۔ خدا مظاہرِ قدرت میں اپنی صفات کی آشکارائی کی وجہ سے

آشکار ہے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن کا ارشاد ہے کہ مظاہرِ قدرت خدا کی آیات یا خدا کے نشانات ہیں۔ اور خدا کو جاننے کے لیے ان کا مشاہدہ اور مطالعہ کرو۔ کچھ مظاہرِ قدرت کا ذکر کرنے کے بعد قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ (یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو) یہ اشارہ صرف ایک ایسی ہستی کی طرف ہی کیا جا سکتا ہے جو صاف طور پر سامنے نظر آ رہی ہو۔ اسلام میں مشاہدہ و مطالعۂ قدرت ایمان باللّٰہ کے لیے ضروری ہے۔ مغرب کی موجودہ عیسائیت میں مشاہدہ و مطالعۂ قدرت ایمان باللّٰہ کے منافی یا کم از کم اس سے بے تعلق ہے۔ لہٰذا جس طرح سے فلسفۂ مغرب میں نامشہود (Unseen) اور فوق الفطرت (Super Natural) کے الفاظ خدا کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، اسلام میں جو فلسفۂ زندگی ہے، استعمال نہیں کیے جا سکتے۔ اگر فلسفۂ مغرب کے قائلین نے علومِ جدیدہ سے خدا کے عقیدہ کو الگ کر دیا ہے تو ہمارے لیے ایسا کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور پھر خودی کی فطرت اس بات کی گواہ ہے کہ انسان آرزوئے حسن کے سوائے اور کچھ نہیں۔ اور انسان کی یہ آرزوئے حسن خدا کے سوائے اور کسی نصب العین سے مطمئن نہیں ہوتی۔ اگر خدا کی جستجو کو نادانی سمجھا جائے تو انسان اپنی اس ایک ہی آرزو کی تشفی کیسے کرے گا جس پر اس کی پوری فطرت مشتمل ہے۔ انسان کو عقل ہی کی نہیں بلکہ جنون یعنی خدا کی محبت کی بھی ضرورت ہے۔ اگر وہ عقلِ کل ہو جائے تو پھر بھی خدا کی محبت کے جنون سے بے نیاز اور بے پرواہ نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ سچے خدا سے بے نیاز ہو گا تو اسے زندہ رہنے کے لیے کسی جھوٹے اور ناحقدار خدا کی محبت اور اطاعت کا پھندا اپنے گلے میں ڈالنا پڑے گا۔ لہٰذا اقبال فلسفۂ مغرب کے قائلین پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے:

تعلیمِ پیرِ فلسفۂ مغربی ہے یہ ۔۔۔ ناداں ہیں جن کو ہستیٔ غائب کی ہے تلاش
محسوس پر بنا ہے علومِ جدید کی ۔۔۔ اس دور میں ہے شیشۂ عقائد کا پاش پاش
مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنونِ خام ۔۔۔ ہے جس سے آدمی کے تخیل کو انتعاش
کہتا مگر ہے فلسفۂ زندگی کچھ اور ۔۔۔ مجھ پر کیا یہ مرشدِ کامل نے راز فاش
"با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش است ۔۔۔ ہر چند عقلِ کل شدۂ بے جنوں مباش"

© rasailojaraid.com

آنچہ بر اشیا کمند انداخت است — مرکب از برق و حرارت ساخت است
علمِ اسما اعتبارِ آدم است — حکمتِ اشیا حصارِ آدم است

مظاہرِ قدرت کے علم کی اہمیت

یہ جہانِ رنگ و بُو کوئی راز نہیں بلکہ اس کی آفرینش کی غرض و غایت آشکار ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اسے مسخّر کر کے خدا کے ایک سپاہی یا خادم کی حیثیّت سے اپنی قوتوں میں اضافہ کرے اور خدا کی صفاتِ حسن و کمال کو آشکار کرے۔ گویا کائنات ایک ساز ہے جس سے ایک دلکش نغمہ پیدا کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اس کے تاروں کو جنبش دینے والا مردِ مومن ہو۔ ذرا مردِ مومن اس کے تاروں کو ہلا کر تو دیکھے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

جہانِ رنگ و بُو پیدا تو مے گوئی کہ راز است ایں — یکے خود را بتارش زن کہ تو مضراب و ساز است ایں

قرآن حکیم نے مظاہرِ قدرت کو آیات اللہ یا خدا کے نشانات اس لیے قرار دیا ہے کہ ان میں خدا کی صفات کا جلوہ اور اس کی قدرتوں اور حکمتوں کا نور روشن ہے۔ لہٰذا اشیاء کے خواص و اوصاف یا سائنسی حقائق خدا کے اسرار میں سے ہیں۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ۝ (آل عمران: ۱۹۰)

بے شک آسمانوں اور زمین کے اندر جو کچھ پیدا کیا گیا ہے۔ اور رات اور دن کے اختلاف میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

لہٰذا جو شخص خدا کی آیات کا مشاہدہ اور مطالعہ خدا کی آیات سمجھ کر کرتا ہے وہ مومن ہے۔ سائنس کی بنیاد ہی خدا کا یہ حکم ہے کہ نظامِ فطرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرو۔ قرآن میں ہے:

اُنۡظُرُوۡا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (یونس: ۱۰۱)

جو کچھ زمین اور آسمان میں پیدا کیا گیا ہے اسے دیکھو!

اقبال لکھتا ہے:

ہر چہ مے بینی ز انوارِ حق است — حکمتِ اشیا ز اسرارِ حق است

ہر کہ آیاتِ خدا بیند حُر است　　　اصلِ ایں حکمت زحکمِ اُنظُر است

بندۂ مومن پر حکمتِ اشیاء یا سائنس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کی حالت دینی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے بہتر ہو جاتی ہے اور خدا کی محبّت اور معرفت کے ترقی پا جانے سے دوسرے انسانوں کے لیے اس کی محبّت اور ہمدردی اور دلسوزی بڑھ جاتی ہے۔ جب خدا کی تخلیق کا علم اس کے آب و گل کو روشن کرتا ہے تو اس کا دل خدا سے اور زیادہ ڈرنے لگتا ہے۔

بندۂ مومن ازو بہروز تر　　　ہم بہ حالِ دیگراں دل سوز تر
علم چوں روشن کند آب و گِلش　　　از خدا ترسندہ تر گردد دلش

ظاہر ہے کہ ایسی سائنس ہماری خاک کے لیے کیمیا کا حکم رکھتی ہے کہ اس کو کندن بنا دیتی ہے۔ لیکن خدا کے عقیدہ سے الگ ہو کر کائنات کا مشاہدہ اور مطالعہ کرنے سے جو سائنس تعمیر ہوتی ہے، چونکہ وہ خوب و زشت کے صحیح معیار سے عاری ہوتی ہے اور ظلم اور انصاف کے درمیان فرق نہیں کر سکتی، لہٰذا اس کی تاثیر دہریت پرستی، مادیت پرستی، قومی خود غرضی، کمزور اقوام پر ظلم و سفاکی اور ان کو غلام بنانے اور لوٹنے کی کوشش، بداخلاقی اور بے حیائی، بین الاقوامی مناقشات، ہولناک عالمگیر لڑائیوں اور ان کے دوران میں ہیروشیما اور ناگاساکی ایسے پُر امن شہروں کی تباہی کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم مغرب میں بے خدا سائنس کی اس تاثیر کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ افرنگیوں کی سائنس ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے نوع انسانی کی ہلاکت کے درپے ہے۔ یورپ کا گرا ہوا قانونِ اخلاق اور اس کی بے خدا سائنس افسوسناک ہیں۔ عقل جب خدا کی محبّت کے تابع رہے تو ایک بلند پایہ روحانی فعلیت ہوتی ہے۔ اور جب خدا کی محبت سے آزاد ہو جائے تو شیطنت بن جاتی ہے۔ مسلمان جو روح اور جسم کی ضرورتوں میں امتیاز کر سکتا ہے، اس کا فرض ہے کہ مغرب کی اس بے خدا تہذیب کے طلسم کو توڑ ڈالے۔

علمِ اشیا خاکِ ما را کیمیا است　　　آہ در افرنگ تاثیرش جدا است
عقل و فکرش بے عیارِ خوب و زشت　　　چشمِ او بے نم دلِ او سنگ و خشت
دانشِ افرنگیاں تیغے بدوش　　　در ہلاکِ نوعِ انساں سخت کوش
آہ از افرنگ و از آئینِ او!　　　آہ از اندیشۂ لادینِ او!

© rasailojaraid.co

اے کہ جاں را باز مے دانی ز تن ‏ سحرِ ایں تہذیبِ لادینی شکن
عقل اندر حکمِ دل یزدانی است ‏ چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

اہل مغرب نے مادی علوم میں یہاں تک ترقی کی ہے کہ اب وہ ماہ و پروین پر کمندیں ڈال رہے ہیں۔ اور وہ وقت بھی آپہنچا ہے جب انسان چاند کی سطح پر نازل ہو گیا ہے۔ لیکن جب تک انسان کی یہ ترقی یافتہ عقل خدا کی محبت کے ولولہ کے ساتھ شریکِ کار نہیں بنتی اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

یہ عقل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار
شریکِ شورشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

صحرانشینوں کی دانہ کاری

سائنس فرنگیوں کے گھر پیدا نہیں ہوئی اس کی اصل کائنات کے متعلق نئے نئے حقائق کو دریافت کرنے کا ذوق ہے جو ہر انسان کی فطرت میں ہے۔ جو شخص بھی مشاہدہ اور مطالعۂ قدرت سے اس ذوق کی تشفی کا اہتمام کرے گا وہی سائنسدان بن جائے گا، خواہ وہ مغرب کا رہنے والا ہو یا مشرق کا۔ اور پھر تاریخ کے حقائق بتا رہے ہیں کہ سائنس تو ایجاد ہی مسلمانوں کی ہے، جن کے ذوقِ دریافت کو قرآن نے معرفتِ حق تعالیٰ کے ایک ذریعہ کے طور پر اکسایا۔ اور یہ کہہ کر اس کی راہ نمائی کی کہ اس کے نتیجہ کے طور پر تمہیں خدا کا عرفان حاصل ہوگا۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم پھر اپنی ایجاد کے ساتھ شغف پیدا کریں۔ لیکن اس کو خدا کے عقیدہ سے الگ رکھنے کا جُرم کر کے مغرب کی لادینی تہذیب کے فروغ کا سبب نہ بنیں۔ کیونکہ یہی لادینی تہذیب ہے جس نے مسلمانوں کے لیے بحیثیت مسلمان کے زندہ رہنا محال کر دیا ہے۔ اس نے کئی فتنے پیدا کیے ہیں اور مسلمانوں کو خدا سے بیگانہ کر کے پھر نیشنلزم، عرب ازم، کمیونزم اور ایسے ہی دوسرے نوتراشیدہ بتوں کی پرستش پر مائل کر دیا ہے۔ گویا حرمِ کعبہ میں پھر لات اور عزّیٰ کو لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ اس تہذیب کی بے خدا سائنس نے دلوں کی آنکھوں سے نور زائل کر دیا ہے۔ اور روحوں کو خدا کی محبت کے آبِ حیات سے محروم کر کے تشنگی سے مار ڈالا ہے۔ اس نے دلوں سے خدا کی محبت کا سوز ہی رخصت نہیں کیا، بلکہ کہنا چاہیے کہ خود دلوں کو ہی جن میں خدا اور انسان کی محبت رہتی ہے بیکراں

(باقی صـ۳۸ پر)

این آئی ٹی یونٹ کے ضمن میں
ایک ضروری وضاحت

ازطرف : سراج الحق سیّد
ناظم اعلیٰ، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور مرکزی ریونیو بورڈ حکومت پاکستان سے منظور شدہ ادارہ ہے۔ اس منظوری کے باعث مرکزی انجمن کو یہ سہولت حاصل ہے کہ اس کے تمام عطیات انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔ یعنی عطیہ دہندہ انجمن کو دیئے ہوئے عطیے کی حد تک انکم ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا ہے۔

مرکزی ریونیو بورڈ سے رجسٹریشن اور عطیات کا ٹیکس سے استثناء معہ دیگر شرائط کے درج ذیل شرط کے ساتھ مشروط ہے۔

"انجمن اپنی آمدنی بشمولیت عطیات جو اسے سال ما جبل میں ملے ہوں' کا ۲۵ فیصد یا دس ہزار روپیہ دونوں میں سے جو رقم کم ہو بطور ریزرو سرمایہ رکھ سکے گی۔ باقی ماندہ سرمائے کو یا تو گورنمنٹ سکیوریٹی یا NIT یونٹ کی خرید میں لگایا جائے گا اور اس کی اطلاع مرکزی ریونیو بورڈ کو کر دی جائے گی"۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں گورنمنٹ سکیور ٹیز کی آمدنی تو صریح سود کے ذیل میں آتی ہے جبکہ این آئی ٹی کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی کی تحقیق کے مطابق اس کو سودی آلائشات سے پاک رکھنے کے لئے خاطر خواہ انتظامات کئے جاتے ہیں۔ تاہم بحالات موجودہ اس میں ایک پہلو قدرے قابل اعتراض ہے اور وہ یہ کہ بعض اوقات یہ ادارہ اپنی رقمیں عام تجارتی بنکوں کے PLS اکاؤنٹ میں رکھواتا ہے جس کی مشروعیت محل نظر ہے۔ جسٹس عثمانی صاحب نے اس صورت حال کا درج ذیل حل تجویز کیا ہے:

"این آئی ٹی یونٹ میں رقم لگانا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ ادارے کی

© rasailojaraid.co

طرف سے شائع شدہ فارم میں یہ لکھ دیا جائے کہ میں پی ایل ایس سے حاصل ہونے والی آمدنی نہیں لینا چاہتا۔ اس تحریر کے بعد جو منافع ادارے کی طرف سے ملے، اس کو ذاتی استعمال میں لانا بھی جائز ہے"۔

لہٰذا کمتر برائی کے طور پر اور صرف مذکورہ بالا قانونی شرط کو پورا کرنے کے لئے جو ریونیو بورڈ کی طرف سے عائد کی گئی ہے، مذکورہ حد سے زائد رقم جمع ہونے کی صورت میں انجمن کو NIT یونٹ خریدنا پڑتے ہیں۔

تاہم مرکزی انجمن کوشاں ہے کہ NIT کے بجائے محفوظ سرمایہ کاری کی کوئی ایسی متبادل صورت پیدا ہو جائے جو ہر نوع کی آلائش سے کلیۃً پاک ہو تو اسے بلا تاخیر اختیار کر لیا جائے ------ دریں اثنا انجمن ریونیو بورڈ سے اس درخواست کے ساتھ رابطہ کر رہی ہے کہ ہماری ریزرو سرمایہ کاری کی حد دس ہزار سے بڑھا دی جائے تاکہ ہمیں گورنمنٹ سکیورٹیز یا NIT خریدنا ہی نہ پڑیں۔ انجمن کا نقد سرمایہ ہر حال میں قومی بینکوں میں ہی جمع رہتا ہے لہٰذا اصولاً ہمارا سرمایہ خواہ NIT میں لگا ہو یا کسی قومی بینک میں جمع ہو، حکومت ہی کی تحویل میں رہتا ہے!

بقیہ: حکمتِ اقبال

گل سے غائب کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ دورِ حاضر کا انسان محض حیوانات کی سطح پر آ گیا ہے اور نیک و بد اور زشت و زیبا میں فرق نہیں کر سکتا۔

حکمتِ اشیا فرنگی زاد نیست ۔۔۔ اصلِ اُو جز لذتِ ایجاد نیست
چوں عرب اندر اروپا پر کشاد ۔۔۔ علم و حکمت را بنا دیگر نہاد
دانہ آں صحرا نشیناں کاشتند ۔۔۔ حاصلش افرنگیاں برداشتند
ایں پری از شیشۂ اسلافِ ماست ۔۔۔ باز صیدش کن کہ او از قافِ ماست
لیکن از تہذیبِ لادینی گریز! ۔۔۔ زانکہ اُو با اہلِ حق دارد ستیز
فتنہ ہا ایں فتنہ پرداز آورد ۔۔۔ لات و عزّیٰ در حرم باز آورد
از فسونش دیدۂ دل نابصیر ۔۔۔ روح از بے آبیٔ اُو تشنہ میر
لذتِ بے تابی از دل مے برد ۔۔۔ بلکہ دل از پیکرِ گل مے برد